وجیہہ ناز

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

ڈاکٹر حمیرا اشفاق

اسسٹنٹ پروفیسر، صدر شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

غلام باغ میں لسانی انحراف: تنقیدی جائزہ

Abstract:

Ghulam Bagh is the first novel of the great fiction writer Mirza Athar Baig. It is generally considered the most popular novel of Urdu fiction in 21st century. The novelist has deviated from the use of standard Urdu language in this novel. Deviation is the violation of the rules or norms of a language. He has made his language creative and inventive as he used the language different from the conventional and everyday language of his era . Using unconventional language he has given his readers unexpected surprise and made a strong impression on their minds. Thus the deviation is seen as an effective means to enrich the text in which it occurs. Ghulam Bagh is abundant with many kinds of linguistics deviations .They have been explored throughout this paper according to the various levels of linguistic analysis: semantic level, syntactic level, lexical level , graphological level. Beside this the novelist deviated from the use of standard language. He has used slangs that are considered vulgar and abusive language. He as a creative writer enjoyed unique freedom in use of language without respecting the social contexts to which he belongs.

Keywords: Deviation, Creative, Semantic, Syntactic, Graphological , Slang,

زبان خالقِ کائنات کا انسان کو دیا گیا وہ لاثانی تحفہ ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ذات سے لے کر کائنات تک کی افہام و تفہیم کر سکتا ہے۔ زبان ایک ایسا نظام ہے جو مختلف آوازوں اور اشاروں کی مدد سے تشکیل پاتا ہے۔ ادب میں زیادہ اہمیت زبان کے تخلیقی استعمال کی ہے۔ ادب لفظوں کی ایسی ترتیب ہے جو ہمارے سامنے ڈرامائی انداز میں کہانی اور صورت حال کو پیش کرتا ہے۔ ادب میں کاملیت جذبات اور فکر کے کامل اظہار سے پیدا ہوتی ہے اور معنویت زبان کے استعمال سے۔ فکشن کی دنیا میں اسلوب، لہجے اور موضوعات کے ساتھ ساتھ زبان بھی بہت اہمیت کی حامل رہتی ہے کیوں کہ الفاظ ہی سے متن کی نئی جہات کی تشکیل ہوتی ہے۔ ناول کے کردار خواہ حقیقی دنیا

سے تعلق رکھتے ہوں یا افسانوی دنیا سے اگر ناول نگار ان میں زبان کے استعمال سے رنگ بھرنے میں ناکام رہا تو بہترین کردار تخلیق نہیں ہو سکتے۔

مرزا اطہر بیگ نے غلام باغ میں جو لسانی تجربات کیے اور جس انفرادیت کے ساتھ کیے اس کی مثال اردو ناول میں کم ہی ملتی ہے۔ ناول پڑھتے ہوئے قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اردو زبان بولنے والوں کی دنیا کا باسی نہیں ہے۔ ادبی زبان کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مانوس زبان کو غیر مانوس بنا کر پیش کرتی ہے۔ غلام باغ میں زبان تخیل کے عمل سے گزرتی ہوئی غلاموں کے باغ کی دریافت تک پہنچتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول نگار زبان کو سانس لینے کی آزادی دینا چاہتے ہیں۔ ناول میں انھوں نے زبان کی سطح پر کئی تجربے کیے ہیں جیسے غیر روایتی زبان کا استعمال۔ ایسے تجربات اردو ناول میں بہت کم ہوئے ہیں۔ کوئی بھی ادبی تخلیق لفظوں کی دنیا سے جنم لیتی ہے۔ غلام باغ میں استعمال ہونے والی زبان اردو ناول کی تاریخ میں ایک دلچسپ اضافہ ہے۔

ذکاء الدین اپنے مضمون "ناول کی زبان" میں لکھتے ہیں کہ ناول میں کرداروں کے مکالموں کے ساتھ ساتھ بیانیہ حصہ بھی متوازی چلتا ہے اور اکثر مقامات پر بیانیہ حصہ اتنی اہمیت اختیار کر لیتا ہے کہ بغیر اس کی مدد کے کردار، ماحول یا واقعے کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ ناول نگار اس حصے میں آزاد ہوتا ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اپنے محسوسات کو قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ کہیں تفصیلی پیرے میں بات کو بیان کرتا ہے۔ کہیں سادہ زبان استعمال کرتا ہے اور کہیں استعاروں کی زبان۔ اس حصے میں ناول نگار کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے قاری کو احساسات کی دنیا میں لے جائے۔ اپنے محسوسات کی وضاحت میں اسے بار بار تشبیہات اور استعاروں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ بار بار کسی بات کی توضیح میں طوالت برتنا پڑتی ہے اور اکثر زور پیدا کرنے کے لیے وہ جملوں کی تکرار سے فضا بناتا ہے۔[1]

اردو ناول میں عمومی طور استعمال ہونے والی زبان روایتی اور یکسانیت سے بھرپور ہے۔ مرزا اطہر بیگ کو یہ کمال حاصل ہے کہ انھوں نے ناول میں جو زبان استعمال کی ہے وہ نہ صرف ناول کے مناظر، کرداروں کی کیفیات اور ان کے جذبات و احساسات کے مطابق ہے بلکہ ناول نگار کے خیالات و تصورات کا پوری طرح ابلاغ کرتی ہے۔ یہ زبان ابلاغ کے ساتھ ساتھ کچھ ان کہی باتیں بھی چھوڑتی جاتی ہے جو قاری کے ذہن میں ہیجان برپا کرتی ہے۔ اس ناول نے اردو افسانوی ادب میں استعمال ہونے والی تخلیقی زبان کو نئے امکانات سے روشناس کروایا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے ناول میں بہت سے مقامات پر انوکھی اور انتہائی منفرد اصطلاحات گھڑی ہیں۔

انکوسٹ نے زبان کے مروجہ استعمال سے انحراف کے لیے deviation from the norms کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ نارم (Norm) سے مراد یہاں زبان کے تسلیم شدہ اور مروجہ اصول و ضوابط مراد ہیں۔ جن کی خلاف ورزی کو انحراف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عام زبان ایک مقررہ ڈگر پر چلتی ہے اور بندھے ٹکے اصولوں پر کام کرتی ہے۔ اس زبان کو جب کوئی شاعر یا ادیب اپنے تصرف میں لاتا ہے۔ تو اس میں ندرت اور انوکھا پن پیدا کرتا ہے اور نئے لہجے اور نئے طرز اظہار کی تلاش میں وہ نئے نئے لسانی سانچے اور تلازمات تشکیل دیتا ہے اور زبان میں تراش خراش، کانٹ چھانٹ اور توڑ پھوڑ سے بھی کام لیتا ہے۔ اظہار کی جدتیں، نئے لسانی تجربے نیز تصرفات زبان کو ایک نہج پر قائم نہیں رہنے دیتے جس وجہ سے زبان اپنی مروجہ ڈگر سے ہٹ جاتی ہے۔ زبان میں تصرف کے اس عمل کو لسانی انحراف کا نام دیا گیا ہے جو نئی زبان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔[۲]

غلام باغ میں مرزا اطہر بیگ نے اردو زبان کے مروجہ نارمز سے انحراف کیا ہے جس کی وجہ سے ان کی نثر میں ندرت اور انوکھا پن پیدا ہوا ہے۔ انھوں نے اپنے فلسفیانہ خیالات کے اظہار کے لیے نئے لسانی ڈھانچے اور تلازمات تشکیل دیے ہیں۔ زبان کو اپنی مرضی سے استعمال کیا ہے۔ اپنے اظہار میں جدت پیدا کرنے کے لیے نئے لسانی تجربے بھی کیے ہیں اور زبان کی توڑ پھوڑ بھی کی ہے جس سے اس ناول کی زبان دیگر اردو ناولوں کے برعکس مروجہ اصولوں سے ہٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ مرزا اطہر بیگ غلام باغ کی زبان کے حوالے سے اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

> "اس ناول میں ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں زبان کردار کے طور پر سامنے آتی ہے۔ مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ دیوانگی بڑی حد تک ایک لسانی مسئلہ ہے۔ جب ہمارے لسانی نظام میں کسی سطح پر بگاڑ پیدا ہوتا ہے، تب ہی دیوانگی کا اظہار ہوتا ہے۔ بہر حال یہ ایک علمی مسئلہ ہے۔ ناول کے کردار کئی بار اس سطح پر آجاتے ہیں جب دوران گفتگو انہیں محسوس ہوتا ہے کہ کلام ان کے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے"[۳]

مصنف نے غلام باغ میں زبان کے لغوی استعمال سے انحراف کیا ہے جس کے لیے انگریزی زبان میں Lexical Deviation کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس انحراف میں مصنف نئے لفظ تخلیق کرتا ہے جس کے لیے Neologism کی اصطلاح مروج ہے جبکہ اردو زبان میں اسے نولفظیت کہا جاتا ہے۔ نولفظیت سے مراد ایسے نئے الفاظ اور مرکبات کی تشکیل کا عمل ہے جو باقاعدہ طور پر تحریری یا عام گفتگو کی زبان میں استعمال

نہ ہوتے ہوں۔ نولفظیت سے معنی کے استعمال میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ نولفظیت ایسے لسانی عمل کا نام ہے جس میں زبان کے منظر نامے پر ظاہر ہونے والے نئے الفاظ کوئی بھی شخص اپنی روز مرہ گفتگو میں پہلی دفعہ استعمال کرے اور پھر یہ الفاظ لوگ اپنی عام گفتگو میں استعمال کرنے لگیں۔ نولفظیت سے مراد ایسے الفاظ بھی لیے جاتے ہیں جو کسی بھی زبان کی عام اور بنیادی استعمال ہونے والی لغت میں موجود نہ ہوں۔

کسی بھی زندہ زبان کی کچھ خوبیاں ہوتی ہیں۔ اس کے ذخیرہ الفاظ میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اسی وجہ سے اس میں الفاظ کی تعداد متعین نہیں رہتی۔ اس میں نئے شامل ہونے والے الفاظ کی تعداد ان الفاظ سے زیادہ ہوتی ہے جو اس میں سے خارج ہوتے رہتے ہیں۔ زندہ زبان میں یہ صفت بھی موجود ہوتی ہے کہ وہ بہت آسانی سے اپنے اندر رونما ہونے والی تبدیلیوں کو قبول کر لیتی ہے۔ اس خوبی کی وجہ ہر زبان بولنے اور لکھنے والا اسے اپنی مرضی سے استعمال کر سکتا ہے اور نئے وجود میں آنے والے الفاظ کو قبول کر سکتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے الفاظ کا استعمال ترک کر سکتا ہے۔

غلام باغ میں اردو زبان اپنی مرضی سے سانسیں لیتی ہے اور اپنی مرضی سے سانس لینا ہی اس کے زندہ زبان ہونے کا ثبوت ہے۔ انگریزی زبان کی تاریخ میں تو شیکسپیئر کو ماہر نولفظیت کے درجے پر رکھا جاتا ہے لیکن اکیسویں صدی میں اردو زبان کے منظر نامے پر یہ امتیاز مرزا اطہر بیگ کو حاصل ہے۔ انھوں نے غلام باغ میں بہت سے نئے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ کسی بھی زبان کے ادبی منظر نامے پر بہت کم الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو بالکل نئے ہوں کیونکہ زیادہ تر الفاظ پرانے الفاظ سے اخذ کیے گئے ہوتے ہیں۔ مصنف نے ایسے الفاظ بھی تخلیق کیے ہیں جو اردو زبان کی لغات میں موجود نہیں ہیں۔ ناول کے متن سے مثالیں:

سکولیے یار(4)	چودخانہ(5)	چیز1(6)	دردیلے(7)
لنلیلے(8)	لایعنی(9)	لٹکیلی(10)	بجھولا(11)
غرکولا(11)	پھڑکولا(11)	اگرمگرولہ(11)	بگڑاس(11)
الٹھولا(11)	الٹپٹپاس(11)	بے شادی(12)	بدچھپائی(13)
عبرتنا(14)	ذلیل القدر(15)	اب جات گنگولے(16)	کنسولے(17)

مرزا اطہر بیگ نے غلام باغ میں بہت سی اصطلاحات گھڑی ہیں۔ اصطلاح سے مراد لفظ یا الفاظ کا ایسا مجموعہ ہے جو حقیقی یا اپنے اصل معنوں میں استعمال ہونے کے بجائے کسی فن، علم، ثقافت یا علاقے کے حوالے سے

مخصوص معنوں میں استعمال ہو۔ غلام باغ میں استعمال ہونے والی نئی اصطلاحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرزا اطہر بیگ کا مطالعہ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا ذخیرہ علم بھی وسعت کا حامل ہے۔ چونکہ مرزا صاحب کا تعلق اردو بولنے والے معاشرے سے ہے اور زبان کی یہ خوبی ہے کہ اس میں اصطلاحات سازی کے وسیع امکانات موجود ہیں۔ مرزا اطہر بیگ نے اتنی مہارت سے نئی اصطلاحات گھڑی ہیں کہ یہ ناول کے متن میں رچ بس گئی ہیں۔

مصنف نے ناول میں جو نئی اصطلاحات گھڑی ہیں وہ زیادہ تر مرکب اصطلاحات ہیں جن کا مخصوص فکری اور علمی پس منظر ہے۔ ان اصطلاحات کے معنی کا تعین ناول کے مخصوص پس منظر سے صرف نظر کر کے نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ غلام باغ میں استعمال ہونے والی اصطلاحات محدود اور متعلقہ اصطلاحات ہیں کیونکہ ان کے معنی کا تعین حسب ضرورت نہیں کیا جا سکتا۔ ناول سے ایسی اصطلاحات کی مثالیں:

پھٹیچر کلاک(18)	کمینہ حقیقت پسند(19)	رات کا کالا لہو(20)	چوتیا زندگی(21)
فاتحانہ حکارت(22)	مُسکت جواب(23)	ہذیان زدہ گفتگو(24)	زٹیل بکواس(25)
ننگی افلاطونیت(26)	صحت مند چسکا(27)	ننگی گالیاں(28)	پٹی ہوئی دانش مندی(29)
قلمی دہشت گردی(30)	گھناؤنی ضیافت(31)		

مصنف نے غلام باغ میں نئی اصطلاحات کی تشکیل کے لیے جن الفاظ کا استعمال کیا وہ بخوبی اصطلاح کا مفہوم ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں مگر عامیانہ اور بازاری نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ الفاظ بالکل اجنبی اور غیر مانوس نہیں ہیں۔ بلحاظ موقع اور استعمال کے الفاظ کا استعمال دلچسپ متن کی تخلیق کا باعث ہے۔ ناول کے متن سے مثالیں:

عورت خور(32)	شیطانی منڈلی(33)	ڈائری باز(34)	کن کھجوری نرس(35)
خاموش خود کلامی(36)	شی شی موضوع(37)	بے شرم سناری(38)	بے حیا بیماری(38)
علمیاتی چکر بازیاں(39)	پانی پلاؤ(40)	قلمی بے راہ روی(41)	

الفاظ لکھنے کی صورت جامد ہو سکتی ہے لیکن ان کے معنی جامد نہیں ہو سکتے ان میں تبدیلیوں کا عمل عہد بہ عہد جاری رہتا ہے۔ الفاظ نئے لباس پہن لیتے ہیں اگرچہ ان کی صورت پرانی ہوتی ہے۔ اگر الفاظ نئے معانی قبول نہ کریں تو وہ متروک ہو جاتے ہیں۔ الفاظ کی مثال اس سماج کی طرح ہے جو جمود کا شکار ہونے کی وجہ سے صفحہ ہستی

سے مٹ جاتا ہے بالکل اگر ایسے ہی وہ الفاظ باقی رہتے ہیں جو نئے حالات میں نئے مفہوم میں ڈھل جاتے ہیں۔ ناول لفظوں کا ایک ایسا گھور کھ دھندا ہے جس میں ناول نگار لفظوں کی شعبدی بازی سے انسانی زندگی کی حقیقتوں کو نت نئے رنگوں میں پیش کرتا ہے۔ وہ لفظ کے مروج اور سابقہ معنی کے استعمال سے انحراف کرتا ہے اور اسے اپنے تخیل کی دنیا میں اسے نئے روپ دے دیتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے غلام باغ میں بہت سے الفاظ کو نئے مفہوم اور نئے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ غلام باغ سے ایسے الفاظ کی مثالیں:

لفظ کیپسول کے لغوی معنی باریک جھلی کا خول جس میں بدمزہ دوا بھر دی جاتی ہے تاکہ آسانی سے نگلی جا سکے اور یہی اس کا مروجہ معنی ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے ماضی، مستقبل، خدشہ اور امید کو لمحہ حال کے کیپسول میں بند کرنے کے لیے لفظ کیپسول کا نیا استعمال کیا ہے۔

گھونسلہ لفظ کے لغوی معنی چڑیوں اور پرندوں کا گھر (عموماً تنکوں سے بنا ہوا)، تنکوں سے بنا ہوا پرندوں کا گھر ہے اور گھونسلے کا لفظ پرندوں کے پناہ گناہ کے لیے مروج ہے لیکن مصنف نے لفظ گھونسلہ کردار کبیر کی رہائش گاہ کے لیے استعمال کیا ہے۔

ابکائی کے لغوی معنی کھایا پیا حلق کی طرف لوٹنے کی تحریک، قے آنے کی حالت اور متلی کے ہیں لیکن مصنف نے تحریر شدہ سیاہ کاغذ کے لیے اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔

فضلہ کے لغوی معنی بدن سے خارج ہونے والی غلاظت اور بول و براز کے ہیں جو عام طور پر بولی جانے والی زبان میں مستعمل ہیں لیکن مصنف نے اس لفظ کو بھی تحریر شدہ سیاہ کاغذ کے لیے استعمال کیا ہے۔

جیلی کیوب کا لفظ لیس دار مادے کے ٹکڑوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مرزا اطہر بیگ نے اس لفظ کو محفل کے معنی میں استعمال کیا۔

سرچشمے سے مراد پانی پینے کی جگہ ہے جبکہ مصنف نے اسے مرد کے جسم سے خارج ہونے والے جنسی مواد کے لیے استعمال کیا ہے۔

لفظ ٹھگ کے معنی دغا باز اور فریبی کے ہیں لیکن مصنف نے ٹھگ کا لفظ مذہب کے لیے استعمال کیا ہے۔ ناول نگار نے ٹھگ کا لفظ مصنف کے لیے بھی استعمال کیا جو لفظوں کی ٹھگی کرتا ہے۔

اسی طرح مصنف نے نر جانور اور مادہ جانور کے الفاظ مرد اور عورت کے لیے استعمال کیے ہیں۔

مرزا اطہر بیگ نے سابقوں اور لاحقوں سے نئے، منفرد اور انوکھے لفظ تخلیق کیے ہیں۔ اردو زبان کا مزاج ایسا ہے کہ اس میں سابقوں اور لاحقوں سے بننے والے نئے الفاظ فراخدلی سے داخل کیے جا سکتے ہیں۔ مصنف نے ناول میں کہیں الفاظ کے منفی و مثبت اور شناختی و وضاحتی مفاہیم کے لئے ان کا استعمال کیا ہے اور کہیں لسانی بگاڑ کی شکل میں لغوی انحراف کے لیے ان کا استعمال کیا ہے۔ ناول سے مثال:

"۔۔۔ عبرت کرنا، عبرت لڑنا، عبرت آنا، عبرت جانا، عبرت پانا، عبرت رکھنا، عبرت سیکھنا، عبرت سمجھنا، عبرت ہو جانا اور پھر عبرتنا"۔42

غلام باغ میں زبان کے منظر نامے پر بہت سے ایسے مقامات آئے ہیں جہاں محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے سابقوں اور لاحقوں کے استعمال سے مرکزی کردار کبیر کی گفتگو اور اپنی تحریر کا دائرہ کار وسیع کرتے ہیں۔ انھوں نے بنیادی صرفیے یا مارفیم کے ساتھ سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے نئے الفاظ کی تخلیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس عمل سے اردو زبان میں بہت زیادہ نئے الفاظ شامل کیے جا سکتے ہیں۔ علوم کے بطور لاحقہ استعمال کرتے ہوئے نئے الفاظ کی تخلیق کی مثالیں:

"ہاں۔ مثلاً زبردست علوم، زیردست علوم۔ آزاد علوم۔ زیرِ حراست علوم۔ بھکاری علوم۔ شکاری علوم۔ سرکاری

علوم۔ سخی علوم۔ جلادی علوم۔ کمینے علوم۔ چڑچڑے علوم۔ مصالحتی علوم وغیرہ بلکہ وغیرہ وغیرہ علوم بھی"۔43

مرزا اطہر بیگ نے ناول میں معیاری جملے کے استعمال سے انحراف کیا ہے جس کے لیے انگریزی زبان میں Deviation Syntactic کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس انحراف میں شاعر یا نثر نگار ایسے جملے تخلیق کرتے ہیں جن میں وہ قواعد اور جملہ تشکیل دینے کے اصولوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایسا متن جس میں بے ربط جملے ہوں قارئین کی توجہ حاصل کر لیتا ہے اور لسانی تغیرات کی وجہ سے وہ اسے زیادہ ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ مصنف گرامر کے اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جملوں کو اپنے انداز سے تحریر کرتا ہے جس سے اکثر اوقات قارئین کے لیے ابہام پیدا ہو جاتا ہے اور وہ متن کا معنی واضح طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ غلام باغ میں ایسے جملوں کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ان میں سے چند اقتباسات:

1۔ "(دو۔ دو۔ تین۔ تین۔ چار۔ چار۔ میں ان کی ٹولیاں نئے سے نئے انسانی امتزاج بنا بنا کر بدل رہی

ہیں۔دو سے تین ہونے پر یا چار سے تین ہونے پر کسی نئے کردار کے آنے پر یا موجودہ کردار کے جانے

پر تین تین چار چار کی ان چھوٹی چھوٹی انسانی دنیاؤں کی فضا ہی بدل جاتی ہے"۔44

2۔"عمل قائم،دخل دائم، عمل دائم،دخل قائم، قائم دخل،دائم عمل،دائم دخل،دائم قائم،دخل عمل،

دخل دخل، عمل عمل،دائم دائم، قائم قائم۔سوال۔ان سب میں سے کون کون سے با معنی ہیں اور ممکن

ہیں؟جواب۔۔۔ سبھی با معنی ہیں"۔45

3۔"آگ"زہرہ

"ہوا"کبیر

"پانی"زہرہ

"مٹی"کبیر

"ناصر"زہرہ

"ہاف مین"کبیر

"کبیر"زہرہ

"زہرہ"کبیر

"یاور عطائی"زہرہ

"باقیات"کبیر

"وہ سب کچھ جو اور بھی ہے"زہرہ

"وہ سب کچھ جو ہو سکتا ہے"کبیر۔46

اس میں کوئی شک نہیں کہ غلام باغ اردو زبان کا شاہکار ناول ہے جو 878 صفحات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ضخیم ناول سمجھا جاتا ہے۔ ناول بیانیہ نثر ہے اور غلا باغ کی نثر کی دلچسپی کا راز اس کی سلیس اور رواں عبارت ہے۔ اچھی نثر لکھنے کا کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہوتا اسی لیے ناول نگار شعوری طور پر کوشش کرتا ہے کہ ایسے جملے تخلیق کرے جو وضاحت اور منطقی جواز سے عبارت ہوں۔ اگرچہ مرزا اطہر بیگ کو اچھی نثر لکھنے کے لیے زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت اور دسترس حاصل ہے لیکن پھر بھی انھوں نے بہت سے ایسے جملے لکھے ہیں جن کا ناول کی نثر میں کوئی منطقی جواز موجود نہیں۔ اوپر دیے گئے اقتباسات نثری معنویت کی خوبی سے عاری ہیں۔ یہ جملے دقیق رنگین نثر کا بیانیہ معلوم ہوتے ہیں جن کے معنی اردو زبان کے عام قاری کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ دائم اور قائم کی گردان سے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ مصنف اپنی عالمانہ، عارفانہ اور فلسفیانہ فکر کی تصویر کشی کرنا چاہتا ہے ۔اقتباس نمبر 3 سے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ناول نگار شعوری طور پر ناول کی ضخامت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے ۔آخری ابواب میں ایسے بہت سے جملوں کی مثالیں موجود ہیں ۔ غلام باغ میں ایسے پیرا گراف بھی موجود ہیں جو محض الفاظ کا گورکھ دھندا معلوم ہوتے ہیں ان میں کوئی منطقی ربط موجود نہیں ہے جس قاری اکتاہٹ کا شکار ہونے لگتا ہے۔ اس حوالے سے طویل پیرا گراف سے مختصر اقتباس:

> "رسالہ مالک، بہادر نہیں، جانتا، میں، بھی، تین دوست، یاور عطائی، بیٹی تین دوست، خاوند نہیں، خاوند کا کام، کام کرنا، جاننا، رسالہ مالک، بزدل۔ (ہنستا ہے) تین خاوند، کام کرنا، سرخ تیل، مالک، بیٹی، آنا، نہیں، میں، نہیں، کوئلہ، ملنا، مرنا، جانتا، سُن، عورت، سرخ تیل، بیٹی، عدالت، یاور ہاؤس، تم، تم ماں، جائیداد، عاق، ماں، بھائی، بہت مزہ کرتا، میں، ٹانگوں، کے بیچ، تم، اچھا، بہت اچھا، (ناصر کی طرف دیکھتا ہے) چوہا خاوند کا کام کرتا، (کبیر کی طرف دیکھتا ہے) کوئلہ، مرتا، اگر، اچھا، خاوند، محبت، (ہنستا ہے)، سفید آدمی (ہاف مین کی طرف دیکھتا ہے)"۔47

مرزا اہر بیگ نے غلام باغ میں اردو زبان کے تحریری نظام کے اصولوں سے انحراف کیا ہے جس کے لیے انگریزی زبان میں Graphological Deviation کی اصطلاح رائج ہے۔ ان اصولوں میں سب سے اہم عبارت میں رموز و اوقاف کا استعمال سے ہے۔ کسی بھی عبارت کے اصلی مفہوم کو سمجھنے کے لیے رموزِ و اوقاف کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ رموز و اوقاف کے صحیح استعمال سے عبارت صحیح معنی میں سمجھ آتی ہے اور غلط مفہوم کے استعمال سے مفہوم کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ مصنف نے جہاں ناول میں زبان کو اپنی مرضی اور منشا کے مطابق استعمال کیا ہے وہاں علامت استفہامیہ، سکتہ، ختمہ، ندائیہ، واوین، قوسین اور علامت حذف کو بھی اپنی

مرضی کے مطابق استعمال کیا ہے۔ خاص طور پر مصنف نے ناول میں علامت سکتہ، ختمہ، قوسین اور علامت حذف کے استعمال میں جگہ جگہ انحراف کیا ہے۔

علامت حذف محذوف عبارت یا چھوڑے ہوئے کلمات کے لیے استعمال ہوتی ہے جیسے دل کو۔۔۔۔سے راہ ہے۔ ناول سے اس علامت کے انحراف کی مثالیں:

"سیاستدان۔۔۔۔۔۔ادیب۔۔۔۔۔۔ صحافی۔۔۔۔۔۔ شاعر۔۔۔۔۔۔ جاگیر دار۔۔۔۔۔۔ ریٹائرڈ فوجی ۔۔۔۔۔۔ مولوی۔۔۔۔ سمگلر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تاجر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دانشور ۔۔۔۔۔۔۔۔بیوروکریٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ماہر تعلیم۔۔۔۔۔۔۔ڈاکٹر۔۔۔۔۔۔۔۔۔"۔48

"او۔کے۔۔۔۔۔۔او۔کے تو گہری بات ابھی آنی ہے"۔49

مصنف نے ناول میں علامت واوین کے استعمال میں بہت زیادہ انحراف کیا ہے۔ جگہ جگہ بلاضرورت اس علامت کا استعمال کیا گیا ہے۔ ناول سے مثال:

"دوبارہ لکھو"	کبیر
"دوبارہ بولو"	زہرہ
"دوبارہ سنو"	کبیر
"دوبارہ جیو"	زہرہ
"دوبارہ جیو"	کبیر۔50

قوسین کے استعمال میں بھی بہت جگہوں پر انحراف ہے۔ جہاں ناول کے متن میں بلاضروت قوسین کا استعمال ملتا ہے وہاں کبھی کبھی قاری کو یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ مصنف فکشن کی زبان کو ریاضی کی کلیوں کی شکل میں بند کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ قوسین کے استعمال کی مثال:

" (شاعر ۔ ریٹائرڈ فوجی ۔ جاگیر دار)(جاگیر دار۔ شاعر ،تاجر)(تاجر ۔وکیل ۔ سمگلر)(سمگلر ۔سیاستدان۔ صنعت کا)(صنعت کا۔ سمگلر۔ جج)(مولوی۔ جاگیر دار۔ بیوروکریٹ)(بیوروکریٹ۔

ادیب ۔اخبار نویس)(اخبار نویس ۔سیاستدان ۔تاجر)(تاجر ۔اخبار نویس۔ریٹائرڈ فوجی)
(سیاستدان۔شاعر۔بیوروکریٹ)(بیوروکریٹ۔جج۔سمگلر)۔۔۔۔۔"51

مصنف نے ناول میں زبان کے تحریری نظام سے انحراف کرتے ہوئے الفاظ کو گڈمڈ (Jumbling) کیا ہے۔جمبلنگ سے مراد ایسا طریقہ کار ہے جس میں مصنف متن کے اندر بے معنی حروف اور اعداد لکھ دیتا ہے ۔ناول کے مطالعے کے دوران یہ محسوس ہوتا ہے کہ مرزا اطہر بیگ کے دماغ میں ڈھیر سارے الفاظ گڈمڈ ہیں اور بہت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔وہ الفاظ کے ذریعے اپنے فلسفیانہ تخیل کی دنیا کو ناول کے صفحوں پر منتقل کرنا چاہتے ہیں ۔ایسا کرتے ہوئے اکثر زبان ان کی گرفت سے آزاد ہو گئی ہے۔مثلاً:

"الف (س۔۔۔۔۔م۔۔۔۔۔ک۔۔۔۔۔ن۔۔۔۔۔ل شروع سے (لنگڑا ہے)۔۔۔۔۔
ب (ب۔۔۔۔۔ع۔۔۔۔۔غ۔۔۔۔۔ص۔۔۔۔۔ل(لنگڑا ہو جاتا ہے)۔۔۔۔۔۔ج
(ر۔۔۔۔۔۔۔د۔۔۔۔۔۔۔گ۔۔۔۔۔۔پ۔۔۔۔۔۔ل(""""))۔۔۔۔۔۔۔"52

ناول میں معیاری زبان کے استعمال سے انحراف کیا گیا ہے۔اردو الفاظ کے مترادفات ہونے کے باوجود مصنف نے مقامی بولیوں کے الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔یہ الفاظ عام، فحش اور بازاری ہیں جن کے لیے انگریزی زبان میں سلینگ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔سلینگ گندی، فحش، بدصورت اور معمولی درجے کی زبان ہے۔عام طور پر سلینگ کی اصطلاح ان افراد کے لیے بولی جاتی ہے جو معیاری زبان کے استعمال سے انحراف کرتے ہیں۔سلینگ کا پورے کا پورا ذخیرہ ہی عامیانہ، سوقیانہ، ناشائستہ، متبذل اور غیر ثقہ الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے ۔مرزا اطہر بیگ نے سلینگ کو عامیانہ بولی کے طور پر، بے تکلفی کی زبان کے طور پر، کسی مخصوص طبقے یا پیشے کی زبان کے طور پر، گندی اور فحش زبان کے طور پر، ان پڑھ لوگوں کی زبان کے طور پر، غیر رسمی زبان کے طور پر اور گھٹیا، سستے اور رکیک انسانی جذبات وافعال کے اظہار کے لیے استعمال کیا۔مزید یہ کہ مروجہ زبان سے انحراف کے لیے استعمال کیا۔مرزا اطہر بیگ کی فکشن میں سلینگ گالیوں کی شکل میں ملتا ہے۔

یاور عطائی، عاشق علی، مدد علی، زہرہ، ناصر اور کبیر غلام باغ کے اہم کردار ہیں۔یہ تمام کردار زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔یہ کردار ناول میں اپنی گفتگو کے دوران اپنے طبقات اور پیشوں کے تناظر میں سلینگ استعمال کرتے ہیں جیسے یاور عطائی کہتا ہے کہ میں کوئی ٹٹ پونجیا عطائی نہیں ہوں۔مدد علی کہتا ہے ایک تو اس حرام کے جنے چوکیدار نے پیچھے سے ایسا ہاتھ رسید کیا کہ ہوش نہ رہا۔خادم حسین ڈاکیا کہتا ہے کہ اپنی رجسٹری

وصول کرو حرامزادو۔ کبیر کہتا ہے کہ یہ تو ایک خصی کلب ہے سر۔ تھانیدار کہتا ہے کہ جاؤ بہن کے یار واس کنجری کو لے جاؤ اور باری باری سوؤ اس کے ساتھ۔ ان فقرات میں ٹٹ پونجیا، حرام کے جنے، حرامزادو، خصی کلب، بہن کے یار واور کنجری سلینگ کی مثالیں ہیں جو مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے کرداروں نے استعمال کیے ہیں۔ متن سے سلینگ کی مزید کچھ مثالیں:

"مجھے تو پہلے سے ہی پتہ تھا یہ ہو گا۔۔۔۔ جب اکھ مٹکا شروع ہوا"۔53

"گورے آقاؤں کی نسل میں کسی کے ساتھ پھڈا ڈالنے کی کوشش نہیں کرے گا خواہ وہ گوراجرمن ہی کیوں نہ ہو"54

"ویسے گلے تیری پہچان بڑی قاتل ہے۔ بڑی تاڑو نظر ہے تیری"۔55

"زہرہ نے سوچا"صحت مند چسکا کیا ہو سکتا ہے"۔56

"اور تو اور گدھی بڑی دولتیاں مارتی ہے مگر اخیر گدھا منہ تک آجاتا ہے"57

غلام باغ اپنے موضوعات، تجربیت، فکر اور زبان کے حوالے سے اردو زبان کے بہترین ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ الفاظ یا فقرے جو کوئی مصنف یا شاعر سوچ سکتا ہے مگر لکھنے کی جسارت نہیں کر سکتا ہے مگر مرزا صاحب نے انہیں اپنی مرضی سے غیر معمولی انداز میں استعمال کیا ہے۔ مرکزی کردار کبیر کی لفظوں کی چگالی ناول کو منفرد بناتی ہے۔ بلاشبہ ناول میں اردو اور انگریزی زبان کے بہت سے ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو اردو زبان کے باسیوں کی سمجھ اور استعمال سے بالاتر ہیں۔ کبیر کی بے وقت کی جانے والی لفظوں کی تکرار ایسی مضحکہ خیز صورتحال پیدا کر دیتی ہے جو لسانی بگاڑ اور لسانی انحراف کے فلسفے کی تائید کرتی ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ناول خود اپنے اندر موجود نئے لفظوں کی لغت بھی ہے۔

کبیر مہدی کی دنیا میں لفظ کہیں بھی روایتی ناول کی زبان سے جڑے ہوئے نہیں ہیں۔ اس کے لفظوں کی اپنی ہی ایک دنیا ہے جس میں زبان کو ایک آزاد ریاست کے آزاد شہری کی طرح سانس لینے کی پوری آزادی ہے۔ مرزا صاحب نے 878 صفحے کا یہ ضخیم ناول لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ اردو زبان بہترین تخلیقی اظہار کی قوت رکھتی ہے۔ لسانی انحراف نے غلام باغ کو اردو زبان کی دنیا میں انفرادیت بخشی ہے۔ زیادہ تر شاعری میں لسانی انحراف کیا

جاتا ہے۔ اردو ناول میں لسانی انحراف کا تجربہ بہت کم ملتا ہے کیونکہ عمومی طور پر ناول میں سادہ اور سلیس زبان استعمال کی جاتی ہے۔

غلام باغ میں لسانی انحراف نے اردو زبان کے مصنفین اور قارئین کے لیے زبان کے رنگ رنگا استعمال کے نئے فکری زاویے تشکیل دیے ہیں۔ مرزا صاحب نے اردو فکشن کی زبان کو نئی جدت عطا کی ہے۔ ان کے لسانی انحراف سے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے پاکستانی معاشرے کی زبان میں مقامی زبانوں اور ثقیل ادبی زبان کی رنگ آمیزی کی ہے جس سے ناول کی زبان منفرد زبان بن گئی ہے۔ مرزا صاحب نے ناول میں لسانی بگاڑ کیا ہے جو در حقیقت تنقیدی نقطۂ نظر سے لسانی انحراف ہے۔

حوالہ جات

1۔ ذکاءالدین اشرف، "ناول کی زبان" مشمولہ اردو ناول: تفہیم و تنقید، مرتبہ ڈاکٹر نعیم مظہر ڈاکٹر فوزیہ سلیم (پاکستان: ادارہ فروغ قومی زبان، ۲۰۱۲ء)، ص ۳۳۷۔

2۔ پروفیسر مرزا خلیل بیگ، اسلوبیاتی تنقید (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۶۷۔

3۔ اقبال خورشید، غلام باغ ''خود کو دریافت کرنے کا وسیلہ بنا، اردو میں ''کومک رئیل ازم'' کی داغ بیل ڈالنے والے، مرزا اطہر بیگ سے اقبال خورشید کا خصوصی مکالمہ، تاریخ ملاحظہ: 20 اگست 2022۔ https://adbistan.blogspot.com/2014/08/blog-post_15.html

4۔ مرزا اطہر بیگ، غلام باغ (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، 2015)، ص 376۔

5۔ ایضاً، ص 467

6۔ ایضاً، ص 10

7۔ ایضاً، ص 13

8۔ ایضاً، ص 13

9۔ ایضاً، ص415

10۔ ایضاً، ص246

11۔ ایضاً، ص407

12۔ ایضاً، ص422

13۔ ایضاً، ص428

14۔ ایضاً، ص485

15۔ ایضاً۔ ص490

16۔ ایضاً، ص756

17۔ ایضاً، ص757

18۔ ایضاً، ص10

19۔ ایضاً، ص19

20۔ ایضاً، ص37

21۔ ایضاً، ص265

22۔ ایضاً، ص182

23۔ ایضاً، ص177

24۔ ایضاً، ص211

25۔ ایضاً، ص274

26۔ ایضاً، ص185

27۔ ایضاً، ص262

28۔ ایضاً، ص176

29۔ ایضاً، ص380

30۔ ایضاً، ص423

31۔ ایضاً ِ ص779

32۔ ایضاً، ص371

33۔ ایضاً، ص406

34۔ ایضاً، ص416

35۔ ایضاً، ص217

36۔ ایضاً، ص344

37۔ ایضاً، ص458

38۔ ایضاً، ص459

39۔ ایضاً، ص410

40۔ ایضاً، ص419

41۔ ایضاً، ص507

42۔ ایضاً، ص485

43۔ ایضاً، ص688

44۔ ایضاً، ص240

45۔ ایضاً، ص507

46۔ ایضاً، ص738

47۔ ایضاً، ص626

48۔ ایضاً، ص285

49۔ ایضاً، ص186

50۔ ایضاً، ص739

51۔ ایضاً، ص240

52۔ ایضاً، ص397

53۔ ایضاً، ص214

54۔ ایضاً، ص405

55۔ ایضاً، ص729

56۔ ایضاً، ص262

57۔ ایضاً، ص453